سکتا۔

"فردوس بریں انداز بیان کے لحاظ سے بھی بڑی جاذبیت رکھتا ہے۔ شرر شاعرانہ مذاق رکھتے تھے۔ اس لیے ان کی نثر میں شعریت پوری طرح جلوہ گر ہے۔ مکالمے بڑے دلچسپ ہیں اور انہی کے وسیلے سے ناول کے اہم کردار بھرپور طریقے سے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ خاص طور پر منظر نگاری میں شرر کو کمال حاصل ہے۔ جن مدارج سے حسین کو فردوس بریں میں لایا جاتا ہے وہ سب شرر کے زور قلم سے زندہ ہو گئے ہیں۔ اس باغ کی علمی بہاروں کا ایسا پر اثر بیان ہے۔ "جس کے مقابلے میں اردو نظم و نثر کوئی اور بیان پیش نہیں کر سکتی۔" اس تاریخی جنت کو پھر سے زندہ کر دینا شرر کی تمام تاریخی ناول نگاری کا حاصل ہے۔

دلچسپ موضوع، دلکش انداز بیان، عمدہ کردار نگاری، دلفریب منظر نگاری، اور حقیقت اور مجاز کا حسین امتزاج، یہ خوبیاں ہیں۔ جو فردوس بریں کو ایک عمدہ ناول بناتی ہیں۔

نوٹ: اس کا عنوان میری پسندیدہ کتاب بھی ہو سکتا ہے۔

(محمد حیات خان سیال)

"ادب اور اخلاقیات"

اثرات

(1) ادب اور زندگی کے باہمی تعلق ہی سے ادب اور اخلاق کے مباحث سامنے آتے ہیں۔ کیونکہ اخلاق کو ایسا ضابطہ حیات قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو انسان کی زندگی میں تہذیب و شائستگی کی صالح اقدار کو فروغ دیتا ہے۔ البتہ امر متنازعہ فیہ ہے کہ یہ اخلاقی اقدار غیر متبدل ہیں یا تغیر پذیر۔ (2) علم الانسان کے لحاظ سے تو یہ اقدار وقت اور حالات کے تحت بدلتی رہتی ہیں۔ عموماً اقدار طبقاتی ہوتی ہیں اور ہر طبقہ کا ضابطہ اخلاق دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں عوامی ادب کے حامیوں کا یہ نعرہ ہے کہ اگر ادیب کو انسانیت سے ہمدردی ہے تو عوام کی اخلاقی اقدار کو ملحوظ رکھے۔ (3) ٹالسٹائی نے "آرٹ کیا ہے" میں اس امر پر بالوضاحت روشنی ڈالی ہے۔ اور وہ تو یہاں تک کہتا ہے کہ عظیم ادب وہ ہے جو عوام اور تصور مذہب کا ترجمان ہے۔ (4) وہ ادیب جو معاشرے کے ان اخلاقی ضابطوں کو نظر انداز کر دیتا ہے وہ زندگی کا ترجمان نہیں ہو سکتا اس سے متعلق جٹوسن نے میتھیو آرنلڈ کے حوالے سے یہ کہا ہے۔ (5) "اخلاقی خیالات کے خلاف بغاوت کرنے والی شاعری زندگی سے بغاوت کرتی ہے۔" اخلاقی خیالات سے بے پرواہ شاعری زندگی سے بے بہرہ ہونے کے مترادف ہے۔

افلاطون تو ادب برائے اخلاق کا حامی ہے۔ لیکن ارسطو نے بھی اس بات کا تقاضا کیا ہے کہ ادب لوگوں پر اخلاقی اثر ڈالے جسے وہ روحانی حسن کا نام دیتا ہے۔ یعنی ادب میں جہاں ہیئت کے حسن سے قارئین کے ذوق جمال کی تشفی مقصود ہوتی ہے وہاں موضوع کی عظمت اور اہمیت سے بھی قاری پر اثرات چھوڑے جا سکتے ہیں۔ اور ادیب کا جہاں اولین مقصد یہ ہے کہ وہ قاری کو متاثر کرے تو اس کا یہ اثر اخلاقی ہو۔ اس صورت میں اسے کسی قسم

Scanned with CamScanner

کے ضابطہ اخلاق کو توڑنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اسے اس بات کی اجازت تو ہے کہ وہ کریہہ سے کریہہ مواد کو بھی آپنی تخلیق کا موضوع بنا سکتا ہے۔ مگر اسے اس انداز میں پیش کرنے کی قطعاً" اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ بد اخلاقی کے پرچار کا آلہ کار ثابت ہو۔ اسی بارے میں سید عابد علی عابد نے اصول انقاد ادبیات میں لکھا ہے۔

"اگرچہ ادیب کا کام صرف صداقت کا انکشاف اور حقائق کا اظہار ہے تاہم اسے یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ صداقت کو اس طرح پیش کرے کہ بد اخلاقی کی ترغیب ہو۔ فن کار اور ادیب بھی اپنے ماحول اور معاشرے کی تخلیق ہوتا ہے اور اس کی ادبی تخلیقات سے اس کی اخلاقی اقدار مترشح ہوتی رہتی ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی ادیب یہ دعویٰ کرے کہ وہ ہر نظام اخلاق کا منکر ہے۔"

اخلاق اور ادب کی بحث میں تلاش حقیقت، حقیقت نگاری اور اخلاقیات کی ایک کشمکش سامنے آتی ہے۔ ہمارے یہاں بعض ترقی پسند ادیبوں نے خارجیت اور حقیقت نگاری پر اس قدر انحصار کیا ہے کہ اس دوران میں ایک لمحہ وہ بھی آیا ہے کہ اس کے ڈانڈے عریاں نگاری سے جا ملتے ہیں۔ اس سلسلے میں جنسی موضوعات کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ دراصل یہاں بھی ہماری زندگی کی ایک بنیادی حقیقت ہے جس طرح جنسی جبلت کو انسانی زندگی سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ بعینہ یہ موضوعات بھی اس کی تخلیق کا ایک جزو لازم ہیں۔ البتہ ادیب پر اس قدر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان موضوعات کو بطور انکشاف حقیقت پیش کرے نہ کہ ان کے بیان میں وہ خود ایک قسم کی لذتیت محسوس کرے جب وہ حظ نفس اور محض لذت کے لیے ان موضوعات کو صفحہ پر منتقل کرے گا تو اس کا اثر اخلاقی ترغیب بالکل نہیں ہو گا۔ قاری اس قسم کے ادب پاروں کو پڑھنے کے بعد غور و فکر نہیں کرے گا بلکہ ادیب کی طرح وہ خود بھی لذتیت اور حظ کا شکار ہو جائے گا۔ جہاں ادیب تخلیق کے نشتر سے معاشرتی ناسوروں کا آپریشن کرتا ہے تو اس عمل میں اندر کی آلائش کے اظہار میں کوئی قباعت نہیں۔ یہ تو اس کی فنکاری اور چابک دستی کا کمال ہو گا کہ وہ قاری تک اپنا مثبت تاثر پہنچا دے۔

ادب و فن کی تاریخ کا اگر جائزہ لیں تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہر دور میں مذہب و اخلاق اور ادب میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ عظیم المرتبت اطالوی مصوروں کے موضوع اکثر مذہبی نوعیت کے ہوتے تھے۔

مونالیزا کے خالق لیونارڈو ڈونچی کی تصویر اور مائیکل انجلو کی مجسمہ سازی مذہبی تصورات و افکار سے مربوط ہے۔

ڈانٹے کی (Divine Comedy) اور ملٹن کی (Paradise Lost)، اقبال کی شاعری اردو ادب کے اکثر شعراء کے ہاں تصوف کے مضامین سب مذہب و ادب کے باہمی تعلق کے شاہد ہیں۔ اگر فن ڈرامہ نگاری کا جائزہ لیا جائے تو اس میں دو قوتوں کی کشمکش ملتی ہے اور عموماً یہ کشمکش حق و باطل کی ہے۔ ان ڈراموں کا انجام اور مقصد ہمیشہ اصلاحی ہوتا ہے۔ شیلے نے تو ادب اور مجلسی اخلاق میں مساوات اور توازن قائم کرنے کے لیے یہاں تک کہہ

Scanned with CamScanner

دیا ہے:

"اگر مجلسی اور سماجی زندگی میں اخلاق زوال پذیر ہوتا ہے تو ڈرامے کا رخ بھی خود بخود زوال کی سمت مڑ جاتا ہے۔"

آج کے عہد تک کے ادب کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسانیت کے ذاتی تحفظ کی جبلت ہمیشہ ایسے فن کو ٹھکرا دیتی ہے جو ہماری ذہنی نشو و نما اور اخلاقی بقاء میں کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا۔ فن ایسے خیالات کا کبھی تادیر ساتھ نہیں دے سکتے جو اس کی ترقی کے اصولوں کے مخالف ہو۔ صحیح معنوں میں عظیم فن لازماً اخلاقی ہوتا ہے۔ اور مہذب انسانیت کے ذاتی تحفظ کو استوار کرنے والی جبلت کے طرز احساس کے اخلاقی اصولوں سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ فنکار کو شعوری طور پر عالم یا جبرا مبلغ اخلاق ہونا چاہیے بلکہ اخلاقیات اور فن دونوں کے مقاصد خاصے ایک دوسرے سے ممیز ہیں۔ اخلاقیات ہدایات دیتی ہے جب کہ فن کسی چیز کو وجود میں لاتا ہے اور انبساط عطا کرتا ہے لیکن چونکہ تمام فنون جذبہ اور خیال کو صورت عطا کرتے ہیں اس لیے عظیم فن وہ ہے کہ جس میں خیالات اور جذبات کو عمدہ طریقہ سے حسین امتزاج دیا گیا ہو جتنا زیادہ کسی شاعر کو فطرت انسانی پر گرفت ہو گی اسی قدر وہ زیادہ منظم اور مکمل طریقے سے زندگی کو پیش کرے گا۔ زمانہ بربریت سے لے کر زمانہ تہذیب تک نسل انسانی کی مسلسل اور پیہم جدوجہد یہ رہی ہے کہ وہ اپنے اخلاقی وقار اور اقدار کا تحفظ کر سکے اور ان اخلاقی اقدار کے سہارے ہی ہم ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔ اخلاقی یگانگت یا ہم آہنگی ہماری تمام صلاحیتوں کا ایک کل میں منظم ہو جانے کا نام ہے۔ بہر حال وہ فنکار جو بام عروج پر جلوہ افروز ہوتا ہے وہ اخلاقیات کو نہ تو نظر انداز کر سکتا ہے اور نہ ہی اس سے متصادم ہو سکتا ہے۔ ادب اور اخلاق کی اس بحث کو پروفیسر احتشام حسین کے الفاظ میں یوں بھی سمیٹا جا سکتا ہے۔

"ادب اور اخلاق دونوں کا مقصد یہی ہے کہ ایک ایسے نظام کی بنیاد ڈالی جائے جس میں گندگی نہ ہو، فحاشی نہ ہو، حسد نہ ہو، نفرت نہ ہو، ایسا نظام نظر اور عمل کے اتحاد سے قائم ہو سکتا ہے۔"

(پروفیسر عبدالرؤف کوثر)

Topic

ادب اور معاشرہ

اس موضوع کے دو اہم اجزاء "ادب" اور "معاشرہ" ہیں۔ ادب سے مراد ایسی تحریریں ہیں جو انسانی دل کے لیے کشش اور تحریک کا سبب ہیں اور اپنے اندر ایک روحانی لذت رکھتی ہیں۔ یہ لذت غم و اندوہ کی بھی ہو سکتی ہے اور مسرت و شادمانی کی بھی اور اس کی حامل تحریر شعر پارہ بھی ہو سکتا ہے اور نثر پارہ بھی۔

علم عمرانیات کی اصطلاح میں معاشرہ ایک ایسے بڑے انسانی گروہ کا نام ہے جو کئی نسلوں سے یکجا رہائش پذیر ہو اور وقت نے ان انسانوں میں نفسیاتی، معاشرتی اور معاشی اشتراک پیدا کر دیا ہو۔ وہ ایک ہی زبان میں بولتے

Community

ماحول کی عطائی کرتا ہے

Change hota rehta ha or Ya Partha Society Ka

Scanned with CamScanner

ہوں اور ان کی خوراک و پوشاک مشترک ہوں۔ نیز وہ یکساں رسم و رواج کی پیروی کرتے ہوں۔

(4) ادب معاشرے کی ایسی یک جہتی اور اشتراک کے اظہار کا نام ہے۔ ان مختصر توضیحات کی روشنی میں ہمارا مبحث یہ ہو گا کہ ادب اپنے خالق انسانی گروہ کی زندگی سے کس قدر متاثر ہوتا ہے۔ اسے کس حد تک متاثر کرتا ہے۔ اور کہاں تک اس کی ترجمانی کرتی ہے۔

(5) ادب اور معاشرے کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ادب کے بغیر کسی معاشرے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جہاں مختلف انسان ایک دوسرے سے میل جول رکھیں وہ اپنے باہمی تعلقات کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ اظہار خیال کریں گے جو ادب کہلائے گا۔ اس طرح تمام ادب دراصل اپنے اپنے معاشرے کے جذبات و خیالات کا ایک لطیف سا پرتو ہوا کرتا ہے۔ (6) صحت مند معاشرے کا ادب بھی صحت مند ہوتا ہے۔ (7) جبکہ مایوس اور بیمار معاشرے کے ارکان لازماً مایوس اور بیمار جذبات کے اظہار کے علاوہ کسی اور قسم کا ادب تخلیق نہیں کر سکتے مثال کے طور پر دوسری جنگ عظیم کے بعد کا جرمن ادب یاسیت کا شکار نظر آتا ہے۔ جبکہ اس دور کے روس یا امریکی ادب سے فتح کے نشے کی بو آتی ہے۔

مایوسی

عرب ممالک آج کل دفاعی جنگ لڑ رہے ہیں اور ان کا ادیب بھی جنگی ترانے لکھ رہا ہے۔ جبکہ اسرائیل کا ادب عیاری اور ظلم و تشدد کا آئینہ دار ہے۔ گویا ادب عالم بالا سے در آمد نہیں ہوتا بلکہ یہ تو اپنے دور کے انسانوں کی دلچسپیوں اور مسائل کی فقط عکاسی کرتا ہے۔ مثلاً یورپی ممالک میں سائنسی ادب پیدا ہو رہا ہے۔ (8) پاکستانی ادیب بھی معاشرے کے تقاضوں سے بیگانہ نہیں ہیں۔ 1947ء میں آزادی نو، ہجرت، لوٹ مار، ظلم و ستم کے موضوعات پر لکھا گیا۔ اور آج کل ہمارا ادب موجودہ معاشرتی احتیاجات اور تقاضوں کی عکاسی کر رہا ہے۔ معاشرہ سب سے زیادہ اہمیت معاش کو دیتا ہے۔ کیونکہ اسی میں اس کی بقا کا راز مضمر ہے۔ (9) لہٰذا معاشی پسماندگی یا ترقی کا اثر اس خطہ یا گروہ کے ادب پر بھی نمایاں ہوتا ہے۔ کیونکہ ادب کا خالق ادیب بھی معاشرے کا فرد ہے اسے بھی اپنے جسم و جان کو قائم رکھنا ہے۔ اس سے بھی زندگی کی ہر ضرورت اتنا ہی شدید مطالبہ کرتی ہے جتنا کسی دوسرے فرد معاشرہ سے۔ سردی گرمی اسے کوئی رعایت دینے کے لیے تیار نہیں اور بھوک پیاس اس کے خالق ادب ہونے کو کسی امتیاز کے لیے کوئی استحقاق تسلیم نہیں کرتی۔ نیز ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے اس کے دل کو بھی گھیرے رہتی ہیں۔ چنانچہ معاشرہ کی پستی یا بلندی ادب کو متاثر کرتی ہے۔ ادیب کی شیری میں بھی احتیاج، انداز روبہی پیدا کرتا ہے۔

آنکہ شیراں راکند روبہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج (رومی)

ہر ضرورت مند اپنی گراں ترین میراث و متاع کو ارزاں ترین بازار میں بیچتا ہے تاکہ وہ اپنے مادی تقاضوں کو پورا کر سکے۔ زور والا زر کی بازی جیت لیتا ہے تو "ادیب جب آدمی کے حال پر آتی ہے مفلسی اور کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی" کی تفصیل پیش کرتا ہے۔ اس طرح تونگری اور تعیش میں مست معاشرہ

Scanned with CamScanner

کے اثرات بھی ادب پر بہت گہرے نقش چھوڑتے ہیں۔ چنانچہ اردو ادب میں لکھنوی نقش کی شوخی ہر قاری کی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔ اگرچہ تعیش و تمول کے اس رنگین نقش سے بھی زوال و انحطاط کی بے رنگی جھلکتی ہے۔

(10) بہر صورت جب بھی خالق ادب کو متاع رفتہ کی ماتم داری اور سوگواری کی نیند سے پیٹ کی مار پیٹ نے جگایا تو یہ صاحب بھی کلن پر رکھ کر قلم نکلے اور وہاں آکھڑے ہوئے جہاں ادب کے ڈانڈے بے ادبی سے ملتے ہیں۔ روپے کی دوڑ میں دوسرے افراد معاشرہ کی پتلون لنگوٹی ہوئی تو خالق ادب کے قلم پر تار لباس کا ہے کو رہے۔ ایسی صورت میں ادب بھی اخلاق غیرت کے بند کھول کر مستی میں رقص کرتا ہے اور اس کی قبا کی دھجیاں اس سے کہیں دور جا پڑتی ہیں اور اس طرح وقت کے تقاضے "بے ادبی" کو ادب کے نام پر بازار میں لے آئے ہیں کیونکہ معاشرہ ایسے ہی ادب کا خریدار ہو سکتا ہے اس کا ساز سوز حیات سے خالی ہوتا ہے۔ وہ غنچوں کو مسکراہٹ اور ہنسنے کی ترغیب نہیں دیتا۔ زندگی اور تب و تاب زندگی کو موضوع نہیں بناتا۔ گریہ و زاری' فرار اور روباہی کو اپنا مسلک بناتا ہے کیونکہ مردہ یا نزع کی حالت میں گرفتار معاشرہ کے لیے یہی مناسب ہوتا ہے اسی پر اسے داد اور صلہ ملتا ہے وہ جاسوسی اور جنسی ناول لکھتا ہے۔ فلمی وار خصوصاً پنجابی فلمی گیت لکھتا ہے۔

پیٹ کی آگ نے آج کل ساری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے پھر ادیب بے چارہ کس طرح اپنے آپ کو دوسروں سے بالاتر محسوس کرے۔

(11) اپنے ادیبوں' شاعروں اور افسانہ نویسوں کو برا بھلا کہنے سے پہلے ہمیں اپنے گرد و پیش کا جائزہ لینا ہوگا اور ادیبوں کی ناک میں پڑنے والی اس سڑاند کو دور کرنا ہوگا جو اس کو مجبور کر کے کثیف ادب کی تخلیق پر اکساتی ہے۔ اگر معاشرہ اپنی اصلاح کرے تو ادیب کی حالت تو اس سمندر میں ایک تنکے کی سی ہے وہ اسی کے ساتھ چلے گا۔ اگر ادیب کو خام مال اچھا ملے گا تو وہ ادب بھی قابل ستائش پیدا کرے گا۔

(12) لیکن اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ جہاں معاشرہ ادب پر اثر انداز ہوتا ہے ایک اچھا ادیب معاشرہ کو بھی متاثر کرتا ہے۔ بڑے بڑے ادیبوں نے اپنے افکار سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں انسانوں کو متاثر کیا۔ ان ادیبوں نے وقت کے تقاضوں کو بھانپ کر ذہنی انقلاب کے ذریعے کئی اور انقلاب پیدا کیے بعض اگر اپنے زمانے میں کامیاب نہ ہو سکے تو اس کے بعد آئندہ نسلوں نے ان کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر کیا۔ افلاطون' امام غزالی' روسو نشٹشے' کارل مارکس اور اقبال نے کئی پرانے نظریات بدل ڈالے۔ دنیا میں اب بھی بعض حکومتوں کا نظام اور فلسفہ حیات کسی دور اندیش ادیب ہی کے فکر رسا کا مرہون منت ہے۔

(13) اس برصغیر میں مسلمانوں کے اندر حب الوطنی' اتفاق و اتحاد کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے جو کام حالی' مولانا محمد علی' ظفر علی خان' اور علامہ اقبال نے کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ایک اچھا ادیب اپنی بلند پروازی اور دلکش اسلوب بیان سے اپنے لیے قارئین و سامعین پیدا کرتا ہے۔ بعض قارئین کے مذاق کے مطابق لکھتے ہیں۔ بلکہ بعض ایسے ہوتے ہیں جو قارئین کو اپنے ڈھب پر لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگرچہ موخرالذکر قسم کے ادیبوں کا

Scanned with CamScanner

کام مشکل ہے۔ لیکن قوموں کو بام عروج پر پہنچانے میں ان کا حصہ مقابلتاً" زیادہ ہے جس ملک میں دولت کی تقسیم غیر متوازن ہے جہاں غربت اور بیماری کے اژدہے منہ کھولے بیٹھے ہیں۔ اس ملک کا ادیب معاشرہ کے ان تمام دشمنوں کے خلاف ایسی لڑائی لڑتا ہے جس پر میدان جنگ کے سپاہی بھی رشک کرتے ہیں۔

ایک اچھے ادیب اور دانشور کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ قوم کی امنگوں، تمناؤں اور دل کی دھڑکنوں کی صحیح ترجمانی کرے جہاں وہ اپنے راستے سے بھٹکنے لگے، اس کی صحیح رہنمائی کرے۔ جہاں وہ جب بعد میں آنے والی نسلیں کسی قوم کی شخصیت، خصوصیات عزائم اور کارناموں کے متعلق جاننا چاہتی ہیں تو اس زمانے کے ادب کا مطالعہ کرتی ہیں۔ سب سے بڑا ادیب وہ ہوتا ہے جو اس مقام کی متلاشی قوم کو ایک اونچا نصب العمل دیتا ہے اور اسے اپنی منزل مقصود تک پہنچا کر ہی دم لیتا ہے۔

(ڈاکٹر زبیدہ صدیقی)

ادب اور زندگی

ادب کیا ہے؟ اس کے بارے میں مختلف ادوار میں مختلف نظریات پیش کیے گئے ہیں۔ مشترکہ خیال یہ ہے کہ ادب زندگی کی عکاسی کا نام ہے حسن اور سلیقے سے موثر پیرائے میں خیالات کے اظہار کا نام ادب ہے۔ ادب اور زندگی کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ دونوں اس طرح مربوط ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور ممکن نہیں۔ مختصر یہ کہ ادب کا تعلق زندگی سے بہت گہرا ہے۔ آپ نے کبھی ایسا شعر یا جملہ نہیں سنا ہو گا جو زندگی کے کسی نہ کسی پہلو سے متعلق نہ ہو ادیب آخر سماج کا ہی ایک فرد ہوتا ہے اور اس کی داخلی کیفیات کا اظہار اکثر خارجی محرکات کا مرہون منت ہے۔

زندگی ارتقاء اور مسلسل ارتقا کا نام ہے جس میں انفرادی اور اجتماعی دونوں پہلو شانہ بشانہ چلتے ہیں زندگی کے چند بنیادی مطالبات ہیں جس کی تکمیل ادبی تخلیقات کی صورت میں رونما ہوئی ہے اور یہ تقاضے فطری صلاحیتوں کے سرچشمے سے نکلتے ہیں جو قدرت کی طرف سے انسان کو ودیعت کی گئی ہیں۔ مثلاً انسان فطرتاً" داخلی واردات کو دوسرے انسان پر ظاہر کرنے پر مجبور ہے۔ اور پھر انسان معاشی حیوان ہونے کی حیثیت سے دوسرے انسانوں کے افعال و اعمال سے گہرا لگاؤ اور اس کا اظہار الفاظ کے ذریعے کرتا ہے۔ اس طرح یہ تخلیقات عمل میں آتی ہیں لیکن ان تخلیقات میں رنگ ثبات و دوام اس وقت پیدا ہوتا ہے جب زندگی کی دائمی قدروں کے ساتھ ساتھ فنی اور جمالیاتی اقتدار کا بھی رنگ موجود ہو۔ رودکی۔ سعدی۔ مرزا غالب اور اقبال وغیرہ کی بقا اس حقیقت کی شاہد ہے کہ جہاں انہوں نے زندگی کی بنیادی قدروں اور مسائل کو اپنے ادب میں سمو دیا ہے وہاں رنگ آمیزی بھی کی ہے اور یہی امتزاج ان کی عظمت کا باعث ہے غالب نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

اور اقبال نے بھی اسی خیال کو ظاہر کیا ہے۔

نقش ہیں سب نا تمام خون جگر کے بغیر

(۶) ہر دور کا ادب اور فن اس دور کی زندگی کے لیے پیدا ہوا ہے اور اس کی نمائندگی بھی کرتا ہے۔ اور پھر آنے والے دور کا نقیب بن جاتا ہے اسی لیے جہاں وہ اپنے ماحول کی عکاسی کرتا ہے وہاں وہ نئے ماحول کا خالق بھی ہوتا ہے۔ (۸) بعض نقادوں' ادیبوں اور شاعروں نے ادب اور زندگی کے رشتے کو سمجھنے میں غلطی کی اور ادب برائے ادب کا نعرہ لگایا۔ ادبی تحریکیں چلیں بعضوں نے کہا ادب کی دو حیثیتیں ہیں۔ سماجی اور فنی اگر ادب میں زندگی کے سنگین مسائل و حقائق پیش کئے جائیں تو فنی معیار جاتا رہے گا۔ سب سے پہلے ایک ایسی تحریک کے علمبرداروں کے نزدیک ادب کا سب سے بڑا مقصد تخلیق حسن ہے۔ ادب میں افادیت کا تصور ان کے نزدیک کفر ہے۔ ان کے نزدیک وہ فنکار جو فن کی بجائے کسی اور مقصد کا متلاشی ہو فنکار ہی نہیں۔ ان کے نزدیک موضوع اور مواد محض اتفاقی حیثیت رکھتا ہے۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ بات کیسے کہی گئی۔ ایسے لوگ ادب برائے ادب کا نعرہ بلند کرتے رہے۔ مگر ان کی تخلیقات زندگی کے حقیقتوں کو نظرانداز کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں اس جمالیاتی نظریئے کو پیش کرنے والے ایسے ادب سے نفرت کرتے تھے جس میں کوئی مخصوص مقصدیت ہو جیسا کہ کیٹس (Keats) نے کہا ہے۔

"حسین چیز بجائے خود ایک ابدی مسرت ہے"

(۹) سب سے پہلے جس نے ادب کی معقول تعریف کی اور ادب و زندگی میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی وہ میتھو آرنلڈ تھا۔ اس نے ادب کو زندگی کی تنقید قرار دیا۔ ادب زندگی کی عکاسی اور ترجمانی ہی نہیں کرتا بلکہ زندگی کو تنقیدی نظر سے دیکھتا بھی ہے۔ (۱۰) ایک اچھا ادیب صرف یہی نہیں جانتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے بلکہ اس کے نزدیک یہ بھی ایک سوچی سمجھی بات ہوتی ہے کہ وہ کیوں کہہ رہا ہے اور اس کا اثر معاشرے پر کیا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ادب کا مقصد انسانی زندگی کو بہتر بنانا ہے یہ حقیقت ہے کہ دنیا کا کوئی ادیب بھی اپنے گردوپیش کی زندگی سے کبھی دامن نہیں بچا سکا۔ اردو غزل ہی کو لیجئے جسے محض گل و بلبل کے افسانوں تک محدود سمجھا جاتا ہے۔

(۱۱) ولی کے ہاں معاشرتی زندگی کے حقائق ملتے ہیں۔ میر کی غزلوں میں اٹھارہویں صدی کے سیاسی مزاج اور انتشار کا عکس موجود ہے۔ اس طرح میر' درد کی غزلوں میں دنیا کی بے ثباتی اور زندگی کے طوفان میں جینے کے ہاتھوں مرچلنے کی شکایت اس دور کی سماجی بدحالی کی پیداوار ہے۔ ہمارے افسانوی ادب میں بھی ہر دور کی زندگی کے نقشے ملتے ہیں۔ 1857ء کے بعد ہمارے ادب میں انقلاب برپا ہوا۔ سرسید اور ان کے رفقاء نے نئے مکتب کی بنیاد ڈالی۔ حب وطن اور قومی شاعری کا رواج ہوا اور انہیں احساس ہوا کہ قدما کے علم و ادب کے دفتر بے معنی ہیں اب لوگوں کے سامنے ادب و شعر کا وہ نمونہ تھا جو سرسید اور ان کے رفقا نے پیش کیا تھا اقبال اور اس کے معاصرین نے

Scanned with CamScanner

ادب سے قومی اصلاح کا کام لیا۔

1935-36ء میں ترقی پسند تحریک چلی اور ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی پر بحث شروع ہوئی۔ ادب برائے ادب کے مخالفین بھی حد سے زیادہ تجاوز کر گئے کچھ لوگ حقیقت پسندی کے جنون میں فن اور جمالیاتی پہلو کو نظر انداز کر گئے۔ ایک گروہ ایسا بھی ہے جو جادہ اعتدال پر رہا وہ جہاں ادب کے لیے زندگی کی ترجمانی ضروری قرار دیتا ہے وہاں اس کے جمالیاتی پہلو کو بھی ناگزیر گردانتا ہے۔ یعنی ادب کا مقصد حظ آفرینی کے ساتھ معاشرتی اصلاح بھی ہے۔ فن میں مقصدیت کا باوا آدم دراصل افلاطون ہے۔ جس نے ادب کے لیے اخلاقی ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اس کے نزدیک ادب کا ایک مقصد اچھے شہری پیدا کرنا ہے۔ اقبال بھی ادب کی افادیت کے قائل ہیں۔ اس کے نزدیک اچھا شاعر یا ادیب وہ ہے جس کے دل میں قوم کا درد ہے۔

شاعر رنگین نوا ہے دیدہ بینائے قوم

شاعر یا ادیب معمولی سی بات سے بھی متاثر ہوتا ہے۔

خنجر چلے کسی پر تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

جدید دور میں بھی ہمارے شاعروں اور ادیبوں نے ہماری زندگی اور اس کے بدلتے ہوئے تقاضوں کی ترجمانی کی ہے۔ تقسیم ہند کا واقعہ ہو یا 1965ء کی جنگ یا سقوط مشرقی پاکستان ہمارے ادیب زندگی کے ان تقاضوں سے بے نیاز نہیں رہے۔

الغرض ادب کا موضوع زندگی ہے اور اس کے کئی پہلو ہیں، معاشرتی، سماجی، تعلیمی اور اخلاقی زندگی گوناگوں پیغامات کی حامل ہے اور یہی تنوع ادب کا موضوع ہے مذہب و اخلاق اور ادب میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ خود تصوف نے ہماری فارسی اور اردو شاعری میں عجیب و غریب رنگ بھرے ہیں اقبال کی شاعری اس لحاظ سے پیش کی جاسکتی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ادیب اور شاعر کا نقطۂ نظر زندگی اور اس کے حقائق کے بارے میں عامیانہ نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اپنے احساسات و مشاہدات کے لیے منفرد انداز اختیار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معیاری ادب اخلاقی اقدار اور زندگی کے اجتماعی مسائل کا حامل ہوتے ہوئے بھی محض تبلیغ اور پند و نصائح کا دفتر نہیں ہوتا۔ ادبی تخلیقات کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول وہ تحریریں ہیں جن میں زندگی سنوارنے کی کوششیں بھی ہیں۔ اور جمالیاتی پہلو بھی ہے اقبال کا بیشتر کلام اسی ضمن میں آتا ہے۔ دوم وہ تحریریں ہیں جن میں زندگی سنوارنے کی کوششیں نہیں لیکن حسن کاری موجود ہے مثلاً درد کا یہ شعر ہے۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

ایسی تحریروں میں چاہے احساس شکست ہو یا زندگی سے بیزاری لیکن چونکہ انسان کے بنیادی جذبوں سے تعلق ہوتا ہے۔ اس لیے ایسی تحریریں بھی تر و تازہ رہتی ہیں۔

Scanned with CamScanner

تیسری قسم ان تخلیقات کی ہے جن میں زندگی ہوتی ہے مگر شعریت سے عاری ہو مثلاً حالی کا یہ شعر

کب کیا کیوں کر کیا یہ پوچھتا کوئی نہیں
بلکہ ہیں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا

ایسی باتیں زندگی آمیز تو ہیں لیکن خود ان میں زندگی نہیں اس لحاظ سے پہلی دو قسم کی تحریریں زیادہ پائیدار ہوتی ہیں۔

مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں۔

"ماحول ادیب کو پیدا کرتا ہے مگر ادیب ماحول کو از سر نو تعمیر میں مدد کرتا ہے ادب بیک وقت حال کی آواز اور مستقبل کی بشارت ہے۔ سب سے بڑا ادیب وہ ہے جو حال اور مستقبل کو یک آہنگ بنا کے پیش کرے۔ دنیا میں جتنے بڑے ادیب و شاعر گزرے ہیں وہ سب واقعات کی کثیف دنیا میں گردن تک ڈوبے کھڑے ہیں مگر ان کے ہاتھ ستاروں کو پکڑنے کے لیے آسمان کی طرف بڑھے ہوئے ہیں۔"

غرض ادب اپنے عہد اور اجتماعی نظام کی پیداوار ہوتا ہے وہ نہ صرف حال کا آئینہ ہوتا ہے بلکہ ماضی کا امین اور مستقبل کا اشاریہ بھی ہوتا ہے۔ اگر ایک ماحول سے اثر پذیر ہوتا ہے تو دوسرے ماحول پر اثر انداز بھی ہوتا ہے اگر ایک طرف نادر اور ابدالی کے انسانیت سوز مظالم ہمارے ادب کا مزاج بدل دیتے ہیں تو دوسری طرف سرسید اور ان کے رفقا کی ادبی تخلیقات ہمارے معاشرے میں سوچ کی نئی راہیں متعین کرتی ہیں۔

ادب اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔" ادب کا سرچشمہ حیات ہے۔ حیات ہی سے اس کے سرچشمے پھوٹتے ہیں۔ ادب پھول ہے تو زندگی اس کی مہکار' ادب جسم ہے تو زندگی اس کی روح۔ ادب دل ہے تو زندگی اس کی دھڑکن اور جس روز یہ دھڑکن بند ہو گئی ادب کی موت واقع ہو جائے گی"

(محمد حیات خاں سیال)

Scanned with CamScanner